

فہرست آغاز

انتخابات ۱۹۹۰ء - قومی شعور کی آزمائش

نکراں حکومت کا اصولی موقف انحراف

✱ - مولانا محمد ہاروی کی حلت کا نڈر محمد اسماعیل کی شہادت

قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے عام انتخابات کے انعقاد میں اب محض چند روز باقی رہ گئے ہیں۔ اہل پاکستان کی اس بزرگ مناسبت میں شرکت کے لیے اپنے نمائندوں کے انتخاب کا یہ موقع وطن عزیز کی تاریخ میں چوتھی بار خاص جوش و خروش ہے۔ قیام پاکستان کے ۳۲ برس بعد ۱۹۹۰ء میں قومی سطح پر اپنے نمائندوں کے چناؤ کا موقع پہلی بار مل رہا ہے۔ اس آزمائش میں ہم پورے نہ اتر سکے۔ ہمارے دو ٹوٹے سے ایسے لوگ ہماری نمائندگی کے منصب پر فائز ہوئے جنہوں نے ملک کو اپنی ہوس اقتدار اور خود غرضیوں کی بھینٹ چڑھا دیا، آگ اور خون کی ہولی کھیلی گئی۔ خانہ جنگی کا بازار گرم ہوا۔ ملک کے آدھے اور عظیم تر حصے کو کاٹ پھینکا گیا۔ معاشرے میں دھولس، دھاندلی، دھوکے اور بے حیائی کا چلن عام ہوا۔ کارخانوں پر تالے پڑے، مزدوروں پر گولیاں بلیں۔ ترنگا جھنڈا لہرا کر ہر طرح کی قانون شکنی کا اذن عام ملا۔ وابستگان دربار کی سرپرستی میں گلی گلی جرائم کے اڈے کھل گئے۔ تعلیمی ادارے تاراج ہوئے، ملازمتوں میں اہلیت کے بجائے پارٹی وابستگی کو ترجیح حاصل ہوئی، مصلحین یا غنی قرار پائے۔ فسطائیت کے بدترین مظاہرے ہوئے مخالف سیاسی رہنما اور عوامی نمائندے جیلوں میں شرمناک تشدد اور رسوا کن سلوک کا نشانہ بنے۔ سیاسی قتل روز کا معمول بن گئے۔ پارلیمنٹ میں ننھی سی اپوزیشن کی نجی آواز بھی طبع نازک پر گراں گذرنے لگی۔ حزب اختلاف کے سیاسی رہنما اور علماء مسلح گارڈز کے ذریعے اسمبلی ہال سے اٹھوا کر باہر پھینکوائے جانے رہے۔ تعلیم کا بین مقفل بنیں، قوم کی بیٹیاں دن و رات سے سڑکوں سے اٹھانی جاتے اور گورنر ہاؤس سے بگم ہونے لگیں۔ صحافت پر پابندی زنجیر بن گئی۔ عقوبت گاہیں اور تعذیب گھر ستم رسیدوں کی فریادوں سے گونج اٹھے۔ بالآخر مظلوموں کی آہیں قہر خداوندی کو جوش میں لانے کا سبب بنیں۔ پسے والے مظلوموں کے ظالموں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا حوصلہ عطا ہوا۔ تمام سیاسی رہنماؤں کو "نظام مصطفیٰ" کی چھتری تلے پناہ ملی۔ مولانا مفتی محمود مرحوم کی قیادت پر سب متفق ہوئے۔ خالص دینی اور مذہبی قیادت اور مسلمانوں میں تحریک نظام مصطفیٰ کی کامیابی کی صورت میں نفاذ شریعت کی قطعی توقعات کے پیش نظر جاریہ جہاد ایسا اچھا کہ بہتے عوام آتی ہوئی سنگینوں کے سامنے سب سے پہلی مونی دیوار اور گولیوں کی بجھ

کے مقابلے میں فولادی چٹان بن گئے۔ بالآخر ظلم کی یہ رات ختم ہوئی۔ اس دورِ ظلمت کی تباہ کاریوں کے اثرات اور نتائج قوم آج تک بھگت رہی ہے۔

یہ باتیں کچھ پرانی نہ تھیں ہم سب کے آنکھوں دیکھے واقعات ہیں۔ یہ سب کچھ سیاسی قائدین اور خود ہمارے اوپر بیتا ہے۔ قوم کے فرد فرد کے حافظے میں یہ ساری داستان ابھی محفوظ تھی کہ ۷۸۸ کے الیکشن کے نتیجے میں کچھ قومی شعور کی بے حسسی یا کچھ بعض دینی حلقوں کی سیاسی غلطیوں اور کچھ عوام کی غفلت و لاپرواہیوں اور زیادہ تر قومی اور اجتماعی نوعیت کے گناہوں کا ثمرہ تھا کہ ہم لوگ ریورس گیر لگا کر اس مقام پر جا پہنچے جہاں سے ۷۹۷ میں گلو خلاصی کے لئے قوم نے عظیم قربانیاں دے کر جبر و استبداد کی تاریک رات سے نجات حاصل کی تھی۔ فسطائیت کے وہی اعمال، جبر و استبداد اور ظلم و ستم کی وہی داستان پھر رقم ہونے لگی جس کا آغاز بھٹو مرنے کے بعد تھا بلکہ بیٹے کا دور حکومت، باپ کے دور اقتدار سے کئی لحاظ سے بدتر تھا سب سے بڑھ کر یہ کہ، اسلامی احکام، قرآنی تعلیمات، قطعی نصوص، شرعی سزاؤں اور ربوبی تعلیمات کا کھلے بندوں مذاق اڑایا جانے لگا۔ سابقہ حکومت کی تمام شیعہ اور پیپلز پارٹی اپنے آقاؤں اور ہمکاروں سمیت خم ٹھونک کر "شرعیعت بل" کے مقابلے میں آگئی۔ اب کے بار بھی دینی حلقوں، مذہبی جماعتوں اور سیاسی پارٹیوں کو بالآخر "شرعیعت بل" کی چھتری تلے آئے بغیر کوئی دوسرا چارہ نہ رہا۔

چنانچہ مولانا سبیح الحق کی دعوت پر آل پارٹیز شریعت کانفرنس کے انعقاد کے بعد ان ہی رہنمائی اور قیادت میں تحریک نفاذ شریعت کا آغاز ہوا۔ بیرونی طاقتوں کو تحریک کا ہدف بہت جلد کامیاب ہوتا نظر آیا لہذا اسمبلیاں توڑوا دیں کہ شریعت بل کو ڈانٹا میسٹ کر دینے کے لئے اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ ۶ سال کا گذشتہ عہد ستم اور ۲۰ ماہ کا حالیہ دور استبداد کس گناہ کی پاداش اور کس غلطی کے نتیجے میں ہم پر مسلط ہوا تھا۔ اس کا سیدھا سا جواب یہی ہے کہ گذشتہ ادوار میں قوم کو اپنے نمائندوں کے انتخاب کے جو مواقع ملے تھے ان کا وہ صحیح استعمال نہ کر سکی۔ رائے دہندگان کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنے سے قاصر رہے کردار کے بدلے گفتار اور غل کے بجائے دعوؤں کے فریب میں آ گئے۔

ملک گیر تنظیم اور قومی وطنی مزاج اور ملک کے نظریاتی اساس کے تحفظ کا منشور رکھنے والی جماعتوں کو نظر انداز کر کے فسطائیت کے علمبرداروں کے سر پر اقتدار کا تاج سجا بیٹھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایسے لوگ سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے جنہوں نے اپنے دور حکومت کا ایک ایک لمحہ اہل وطن کے لئے جہنم بنا دیا۔

اسی تناظر میں دیکھا جائے تو اب سے چند روز بعد ۲۷/۱۱ اور ۲۸/۱۱ کو ہونے والے انتخابات ایک بار پھر ہمارے قومی شعور کی نہایت کڑی آزمائش ہیں مستقبل کے کئی برسوں کے ایک ایک لمحے کا انحصار ان انتخابات میں قوم کی جانب سے سامنے آنے والے فیصلے پر ہوگا۔ یہ موقع سیاسی جماعتوں بالخصوص دینی مذہبی اور اسلام پسند قائدین، حکومت اور عام ووٹروں سمیت پوری قوم کا نہایت کڑا اور نازک امتحان ہے۔

۱۔ ان انتخابات میں سیاسی پارٹیاں بالخصوص مذہبی و دینی اور اسلام پسند جماعتیں جسی آزمائش سے دوچار ہیں اس میں کامیابی کی راہ ان کے لئے صرف یہی ہے کہ وہ اپنی اجتماعی قوت کو منفی، خالص گروہی اور ملکی مفاد سے بالاتر صرف جماعتی مقاصد کے بجائے مثبت اور قومی و ملی اور خالص دینی مقاصد کے لئے استعمال کریں ایسی انتخابی حکمت عملی سے گریز کیا جائے جس سے کسی بھی اسلام پسند قوت کا نقصان ہو اور براہ راست فسطائیت کے کسی بھی علمبردار کے لئے کامیابی کی راہ ہموار ہو۔

ب۔ یہ انتخابات خود حکومت کے لئے بھی ایک کڑی آزمائش ہیں حکومت کا امتحان یہ ہے کہ وہ کس حد تک اپنے وعدوں کے مطابق آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کرنے میں کامیاب ہوتی ہے اس کے فیصلے، اقدامات اور انتظامات کہاں تک انتخاب کے اعتبار کو مستحکم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں انتخابات کو ہر طرح کی بدعنوانی سے پاک رکھنا حکومت کا ایسا فریضہ ہے جس پر ملک کے پورے مستقبل کا دار و مدار ہے اس موقع پر معمولی سی لغزش سے بھی پورا انتخابی عمل مشتبہ قرار پا سکتا ہے۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ دستور میں دئے گئے اہلیت سے متعلق شرائط اور اصولوں کو ترک و پامال کرنا خود اپنی مشکلات میں خاصا اضافہ کرتا ہے۔ ملکی دستور میں امیدواروں کے لئے سیرت و کردار اور نظریاتی شناخت کے سلسلہ میں جن شرائط کو لازمی قرار دیا گیا ہے ان کی تکمیل کا اہتمام تو کجا؟ ان کو یک لخت فراموش بلکہ معدوم کر دینے کو قومی اور ملی اقدار سے استہزار اور تضحیک کے سوا سے کوئی دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا۔ ایسی صورت حال میں حکومت کی آزمائش دو بنیادی ذمہ داریوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے ایک امن و امان کا اہتمام و استقرار اور دوسرے ہر نوعیت کے دھاندلیوں کا مکمل سدباب۔

ج۔ ان انتخابات میں بھی تیسری اور اہم ترین آزمائش ملک بھر کے ان کم و بیش پانچ کروڑ رائے دہندگان کی ہے جن کے نام انتخابی فہرستوں میں درج ہیں ملک کا مستقبل عملاً ان کے ہاتھ میں ہے۔ ۱۹۸۸، ۱۹۸۵، ۱۹۷۰، ۱۹۸۸ میں رائے دہندگان نے جو فیصلے کئے تھے بعد کے عرصہ ۷۰ سے ۹۰ تک مسلسل ۲۰ برسوں کا ایک ایک لمحہ

ان فیصلوں سے متاثر ہوا اور اب ۲۷ اور ۲۷ رکنوں کو رائے دہندہ گان جو فیصلہ کریں گے جیسے نائندے منتخب کریں گے ہمارے مستقبل کا سارا انحصار اسی پر ہوگا اس لئے ان انتخابات کو غیر اہم اور غیر سنجیدہ معاملہ سمجھ کر ان سے لاتعلقی کا رویہ اختیار کئے رکھنا، پوری قوم اور اس کے ایک ایک فرد کے لئے نہایت خطرناک اور سنگین نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔ ایک اسلامی مملکت کے شہری کے لئے ایکشن میں ووٹ دینا محض ایک سیاسی عمل نہیں بلکہ ایک دینی فریضے کی ادائیگی اور قرآن کے اس حکم کی تعمیل ہے ان اللہ یا مکرہ ان

تؤدوا الامانات الی اہلہا

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے سپرد کرو جو امانتوں کا حق ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں اب ظاہر ہے کہ ملک کے تمام وسائل و ذرائع اور حکمرانی جیسے اہم ترین مناصب سپرد کرنے کے معاملے میں، اسلامی مملکت کے ایک مسلمان شہری کا لاتعلقی رہنا کس قدر سنگین جرم ہو سکتا ہے۔ ہم خود کو لاتعلقی رکھ کر ایک دن کی رحمت سے توجہ سکتے ہیں لیکن اس ایک دن میں ہونے والے اہم فیصلے کے نتائج سے محفوظ نہیں رہ سکتے جو برسوں کے لئے ہماری زندگی کے ایک ایک لمحے کو اپنی گرفت میں لے لیں گے۔

ووٹ کا استعمال و حقیقت فریضہ شہادت حق کی ادائیگی ہے جو حق کا ساتھ نہ دے گا وہ لازماً باطل کا مددگار ہوگا۔ خیر کے مغلوب اور شر کے غالب ہونے کا فدیہ بنے گا۔ ووٹ مقدس امانت ہی نہیں ایک موثر قوت بھی ہے اور یہ مستقبل کے حکمرانوں کا تقرر نامہ ہے ملک بھر میں ووٹروں کے سامنے یہ حلقے ہیں کئی کئی امیدوار موجود ہیں۔ کسی امیدوار کے حق میں رائے دینے کی مختلف بنیادیں ہو سکتی ہیں۔ برادری قبیلے، علاقے، زبان اور مسلک و عقائد کے رشتے ہمارے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ لیکن اللہ و رسولؐ سے وفاداری، اخلاقی ذمہ داریوں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ملک و قوم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ووٹر تمام تعلقات اور وابستگیوں سے بالاتر ہو کر یہ دیکھے کہ اس کے سامنے موجود امیدواروں میں سے اپنے کردار، تقویٰ، خدا ترسی اور اہلیت کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔ پھر جیسے وہ اپنی ضمیر کی آواز کے مطابق بہتر سمجھے اس کے حق میں اپنی رائے استعمال کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :-

”جس نے مسلمانوں کی کسی بھی چیز پر کسی ایسے شخص کو والی اور حاکم بنا دیا جس سے بہتر فرد موجود ہو تو اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے خیانت کی“

نگراں حکومت کا اصولی موقف ہے انحراف

انتخابات اور مستقبل کی نئی حکومت کی تشکیل کے حساس مرحلے میں نگراں حکومت بھی سیاسی قوت کی فراہمی کی خاطر جو چالیں چل رہی ہے اس سے خود حکومت کی سیاسی اہلیت کے تاثر اور اس کے ذاتی وقار میں کوئی اضافہ نہیں ہوا اگر اس مزاج اور کردار کے وڈیروں اور سرمایہ داروں اور پیپلز پارٹی کی ذہنیت کے سیاست کاروں کا مزید حصار قبول کیا جائے تو قوم کو مایوسی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ اگر نگراں حکومت، ارباب اقتدار کو شکار کھلانے والے پیشہ ورانہ وقتوں کو وزارتیں بانٹتے، انہیں نہ کاری خرچ پر پرانے پارٹیوں کے گروپ تشکیل دینے کے ٹھیکے دیتے اور ان کی انتخابی کامیابی کی راہیں ہموار کرتی نظر آئے گی تو احتساب میں عدل و انصاف کا بھی خدِ غلطہ اگر عوام نے نگراں حکومت سے نفاذِ شریعت (منضخ خوش فہمی) حقیقی جمہوریت کے فروغ، منصفانہ و غیر جانبدارانہ انتخابات اور پرامن انتقالِ اقتدار کے توقعات وابستہ کی ہوئی ہیں تو کیا یہ توقعات غلام مصطفیٰ کھر عابدہ حسین، قاضی عبدالجبار، صلاح الدین، شہزادہ گشتاسب، جام علی صادق جیسے اصحاب کے ذریعے پورے ہوں گے۔ اگر ان لوگوں کے ذریعے نفاذِ اسلام یا قوم و ملک کی خدمت ممکن ہوتی تو ۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ، ۸۵ء کا نفاذِ شریعت بل، متیوشہ شریعت نافذ، ۸۹ء کی متحدہ علماء کونسل اور ۹۰ء کی تحریک نفاذِ شریعت چلانے کی نوبت ہی کیوں آتی۔ ملکی استحکام اور سالمیت اور نظریاتی اساس کے تحفظ کے لئے نگراں حکومت کا یہی وہ سیاسی ہوم ورک ہے جو پیپلز پارٹی کے پٹے ہونے جاگیر دار اور سرمایہ داروں کی پیش رفت کی صورت میں سامنے لایا جا رہا ہے۔ امیدواروں کی اخلاقی اہلیت کے تعین کے لئے کچھ معیارات بھی دستور میں متعین ہیں مگر اس کے باوجود ماضی کے اعمال کی روشنی میں دستور ہی کے ملے کردہ ان عناصر کی سابقہ نااہلیوں کے لئے استثنیٰ کی راہیں پیدا کی جا رہی ہیں جنہیں خود صدر نے سنگین جرائم، قومی دلی گناہ اور بدترین بد اعمالیوں کی دستاویزی شہادتوں کی بنیاد پر نااہل قرار دیا تھا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ انفرادی استثنیٰ کے چور دروازے کھولنے کے بجائے حکومت اصولی موقف اختیار کرے۔ اصولی موقف سے روگردانی کی گئی تو خود غرضانہ اور اقتدار پرستانہ سودے بازی کے الزام سے مفر نہیں ہوگا۔ اصولی موقف ہی حکمرانوں کو راستی، عدل، یکساںیت کے صراطِ مستقیم پر جادہ بیمار کھتا ہے۔ مصلحت و منفعت اور غرض مندی و مطلب برآری والے موقف ہمیشہ ناکامی کا سبب بنا کرتے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کو انتخابات میں بھرپور حصہ لینا چاہئے البتہ انہیں جمہوری آداب اور ملی و نظریاتی تقاضوں کا پابند بننا چاہئے۔ یہ امتیاز یکساں اور اصولی موقف کے ساتھ پیش رفت نگراں حکومت سمیت